بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

معاشرتی و معاشی عدم استحکام اور حل

پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد

پاکستانی معاشرے کی ۷۶ سالہ تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو حالیہ عشرہ بلکہ اس کے آخری پانچ سال معاشرتی، معاشی اور سیاسی استحکام کی غیر معمولی خراب صورت حال کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اسٹیٹ بنک آف پاکستان کی رپورٹ مؤرخہ ۶ جون ۲۰۲۳ء کے مطابق اپریل ۲۰۲۲ء میں ملک پر مجموعی قرض کا حجم ۴۳ ہزار ۷۰۵ ارب روپے تھا جو اپریل ۲۰۲۳ء میں بڑھ کر ۵۸ ہزار ۵ سو ۹۹ ارب روپے ہوگیا، یعنی ۱۴ ارب روپے یومیہ قرض لیا گیا۔ ملک پر واجب الادا بیرونی قرض ۷ ہزار ۲ سو ۵۹ ارب روپے یعنی ۴۹ فی صد سے بڑھ کر ۲۲ ہزار ۵۰ ارب روپے ہوگیا اور اسی طرح ایک سال کی مدت میں اندرونی قرض ۷ ہزار ۶ سو ۳۵ ارب روپے یعنی ۳۴ فی صد سے بڑھ کر ۳۶ ہزار ۵ سو ۴۹ ارب روپے کی سطح پر پہنچ گیا۔

قرض لے کر اِترانے کے یہ سرکاری اعداد و شمار ہی معاشی زندگی کا گلا گھونٹنے کے لیے کافی ہیں۔ بے روزگاری، مہنگائی اور معاشی عدم استحکام کی بنا پر بیرونی سرمایہ کار پاکستان میں کسی کاروبار میں ہاتھ ڈالنے کا خطرہ مول لینے پر تیار نظر نہیں آتے۔ مقامی کاروباری برادری کی جانب حکومت کی عدم توجہی، کاروبار میں معاونت کی بجائے حیلوں بہانوں سے رشوت طلب کرنا اور غیر ضروری رکاوٹوں کی وجہ سے کاروبار کیسے کیا جاسکتا ہے؟ مزید برآں سستی بجلی، پانی، اور گیس کی عدم فراہمی اور کاروبار میں پیش آمدہ مختلف مسائل کے حل سے لاتعلقی ایک ایسی مجرمانہ روش ہے جس کے نتیجے میں مقامی کاروباری برادری اپنے پاؤں پر کبھی کھڑی نہیں ہوسکتی۔

ان معاشی مسائل کے ساتھ نصف عشرے کے دوران ملک پر اجارہ داری کا دعویٰ کرنے والی

سیاسی پارٹیوں اور ان کے پشت پناہ اداروں نے معاشی مسئلے سے مجرمانہ لاپروائی برتی ہے اور ملکی مفاد سے عدم دلچسپی اور صرف اپنے ذاتی مفاد کے لیے ملک کو تباہی کے دہانے تک پہنچا دینے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

ان حالات میں ملکِ عزیز میں معاشرتی خرابیوں اور عدم تحفظ کا جو منظر نامہ سامنے آرہا ہے، وہ ہر محب وطن کے لیے شدید پریشانی کا باعث ہے۔ معاشی اور سیاسی عدم استحکام کے نتیجے میں شہروں اور دیہاتوں میں جان و مال کو جو خطرات لاحق ہیں، ان کا اندازہ ڈان ۴ جنوری ۲۳ء کو شائع ہونے والے اعداد و شمار سے لگایا جا سکتا ہے۔ دارالحکومت میں ایک دن میں ۳۶ جرائم رپورٹ کیے گئے ۔ایک سال کے دوران صرف اسلام آباد میں ۱۳ ہزار ۴۰۹ وارداتیں پولیس تھانوں میں درج ہوئی ہیں، جب کہ ملک میں (وارداتوں کی اطلاع کے باقاعدہ نظام کی عدم موجودگی کے باوجود) ۲۱۸۰ ڈکیتیوں، ۱۳۹۲ جھپٹ کر چھیننے کے واقعات، ۷۱۹ گاڑیوں کی چوری، ۲۰۹۵ موٹر سائیکلوں کی چوری، ۹۵۴ قتل یا قتل عمد اور اغوا اور جنسی زیادتی کے واقعات جو پولیس کے علم میں لائے گئے ہیں۔خیبر پختون خوا میں ۲۰۲۳ء کے صرف پہلے دو ماہ میں ۴۷ قتل، ۱۲۶ قتل عمد، ۴۷ ڈکیتیوں، ۵۱ چوری کے واقعات، ۵۹ موٹر سائیکل کی چوری کے واقعات پیش آئے۔

سندھ میں جنوری ۲۰۲۳ء کی ایک اطلاع کے مطابق صرف چار ماہ میں ۵۲۹ خواتین اغوا کی گئیں۔۱۱۹ گھریلو دہشت گردی کے واقعات، ۱۴۲ بچوں کے ساتھ زیادتی، ۵۶ جنسی زیادتی کے واقعات اور ۳۷ واقعات عزت کے نام پر قتل کے پیش آئے۔

معاشرتی انتشار کا اہم سبب

معاشی، اخلاقی اور سیاسی زبوں حالی کے ساتھ ساتھ خاندان کا نظام بھی انتشار کا شکار ہے۔ جولائی ۲۰۲۳ء کے ٹریبیون کی اطلاع کے مطابق صرف پاکستان کے ایک بڑی آبادی والے شہر لاہور میں ۲۰۱۹ء سے تاحال طلاق کے مقدمات کی تعداد ۲۴ ہزار ایک سو ۵۷ ہے۔ ۹ ہزار ۸ سو ۱۱ خلع کی درخواستیں جمع کرائی گئیں۔ یہ معاملہ شہری زندگی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ تحصیل کی سطح پر ۱۱ ہزار ۸ سو ۹۷ طلاقیں دی گئیں، جن سے ۶۰ ہزار بچوں کا مستقبل شدید متاثر ہونے کا اندیشہ ہے۔

طلاق میں کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۲۰۰۵ء سے ۲۰۰۸ء تک

کی مدت میں کل ۷۵ ہزار طلاقیں واقع ہوئیں، جب کہ ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۱ء کے عرصہ میں ۲۴ ہزار ایک سو ۳۹ طلاقیں دی گئیں۔ ایسے میں ۲۰۱۲ء میں خلع کے واقعات ۱۳ ہزار ۲ سو ۹۹ تھے، جب کہ ۲۰۱۳ء میں ۱۴ ہزار ۲ سو ۴۳ اور ۲۰۱۴ء میں ۱۶ ہزار ۹ سو ۴۲، اور ۲۰۱۶ء میں یہ تعداد ۱۸ ہزار ۹۱ تک پہنچ گئی۔ یاد رہے یہ وہ واقعات ہیں جو قانون کی نگاہ میں آ گئے۔ پاکستان میں بے شمار مقامات پر ایسے واقعات کو کسی کے علم میں لانا سخت معیوب سمجھا جاتا ہے اور ان کی کوئی رپورٹ درج نہیں کرائی جاتی۔

ان خاندانی معاملات میں مرد کی طرف سے اکڑ، دھونس، چودھراہٹ اور خواتین کی طرف سے معاشی آزادی کے لیے ملازمت اختیار کرنے کے بعد اپنی خودمختاری تسلیم کرانے کی خواہش کے علاوہ دیگر بہت سے عوامل شامل ہیں، جو محض پاکستان تک محدود نہیں بلکہ عالمی سطح پر پائے جاتے ہیں ان میں ایک اہم محرک ابلاغِ عامہ بھی ہے۔

معاشرتی علوم کے ماہرین مغرب کے مقرر کیے ہوئے پیمانوں کی روشنی میں مشترکہ خاندانی نظام میں ساس کے کردار کو خرابی کی جڑ قرار دیتے ہیں، جب کہ پسند کی شادی اور نام نہاد محبت کی بنیاد پر نکاح بھی عام طور پر زیادہ پائدار ثابت نہیں ہوتے۔

اخلاقی انحطاط

ہمارے معاشرے میں شرم وحیا جیسی بنیادی اسلامی قدر کا علم وفہم اور عملی زندگی میں اس پر عمل پیرا ہونے کا رویہ بڑی تیزی سے کمزور ہو رہا ہے۔ ہمارے تعلیمی اداروں، سکول، کالج، یونی ورسٹی کی سطح پر شرم وحیا، کردار کی پاکیزگی، عصمت وعفت کے بنیادی اسلامی تصورات کی تعلیم وتربیت کا کوئی نظام موجود نہیں۔ اس کے برعکس تعلیمی اداروں میں منعقدہ مختلف مخلوط پروگرامات اور سرگرمیوں میں ناچ گانے، موسیقی اور دیگر بے ہودہ انداز واطوار اور چلن عام ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ دیگر سماجی رسومات مثلاً شادی بیاہ کے مواقع پر بھی فلموں، ڈراموں میں دکھائے جانے والے نیم عریاں لباس کا شرفا گھرانوں تک کے مرد وخواتین میں بے دھڑک استعمال بھی فیشن بن گیا ہے۔ عمر کے مختلف حصوں میں شرم وحیا کے اسلامی تصورات سے عاری کارٹون کرداروں، فلموں، ڈراموں کے زیر اثر نشو ونما پانے والی نئی نسل کے یہ بچے اور بچیاں جب اعلیٰ تعلیم کے لیے اداروں کے

مخلوط ماحول میں پہنچتے ہیں تو ان کے گم کردہ راہ کا مکمل امکان اور سامان موجود ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں متعدد تعلیمی اداروں سے تواتر کے ساتھ ایسے واقعات منظرعام پر آرہے ہیں، جن کو سن کر اور جان کر ہر ذی شعور فرد کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

ظاہر ہے جب تعلیمی اداروں اور والدین نے انھیں شرم وحیا، پاکیزگی، سچائی، امانت و دیانت، عزّت و آبرو، عصمت وعفت کے طرزِعمل کی تعلیم و تربیت ہی نہیں دی، تو نئی نسل سے اعلیٰ اخلاقی رویے، باحیا طرزِعمل، ضبطِ نفس اور تقویٰ کی امید کیسے کی جاسکتی ہے؟ مغرب کے تعلیمی فلسفے، تصورات اور پیمانوں میں فرد کی اخلاقی تربیت، تعمیرِ کردار و سیرت کے پہلو نہ ہونے کے برابر ہیں اور اخلاق و کردار کی اہمیت سے عاری یہی پیمانے ہمارے تجزیہ نگاروں کے دل و دماغ پر بھی سوار ہیں اور وہ معاشی مسائل کا حل یہی تجویز کرتے ہیں کہ جب تک خواتین معاشی میدان میں نہ اُتریں گی ترقی نہیں ہوسکتی۔

گذشتہ تین عشروں میں ابلاغ عامہ کو جس طرح بے لگام کیا گیا اور ہندستانی اور مغربی ثقافت، رسوم و رواج اور اقدار، ڈراما، فلم کو سرکاری سرپرستی میں عریانی، فحاشی، نوجوان لڑکیوں کی مخلوط محفلیں اور ٹی وی کے ہر پروگرام میں ان کی مشروط شرکت، گویا جب تک ان کا کندھے سے کندھا نہ چھلے، ملک کی معاشی ترقی نہیں ہوسکتی۔ اس برائی اور معصیت کے فروغ نے گھریلو تنازعات میں شدت پیدا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا اور ہر شعبۂ حیات میں منظم انداز میں مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے مقابلے پر لا کھڑا کیا۔

بیرونی امداد پر چلنے والے اداروں نے پوری وفاداری کے ساتھ 'حقِ نمک' ادا کیا اور پاکستان میں 'عورت مارچ' کے نام پر اور جامعات میں نوجوانوں کو مخلوط محفلوں کا عادی بنا دیا گیا۔ حقوقِ نسواں کے نام پر خواتین میں شدت پسندی، انانیت اور انفرادیت کو پروان چڑھایا گیا، جس کا نتیجہ اَنا کے ٹکراؤ اور اپنی مرضی پر اصرار کا جذبہ فروغ پایا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ والدین کی لاپروائی نے اور اپنی اولاد کو محض تعلیم گاہ کے حوالے کر دینے اور خاص طور پر ایسے تعلیمی اداروں کے حوالے کرنے سے جو اباحیت اور لبرلزم کے لیے مشہور ہیں اور جہاں لباس، زبان، لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان باہم آزادانہ دوستی اور دونوں جنسوں کے درمیان کوئی رکاوٹ اور فاصلہ نہیں رکھا جاتا۔

ایسے اداروں میں اپنی اولاد کو تعلیم کے لیے بھیج کر والدین نے درمیانی اور بالائی طبقات میں مغرب کی اباحیت پسندی کی ہمت افزائی کی۔ والدین اور تعلیمی اداروں کی جانب سے بچوں کی تربیت سے لاپروائی اور غفلت کے افسوس ناک طرزِعمل کے گھناؤنے نتائج اغوا، قتل، جنسی زیادتی اور مختلف قبیح جرائم ہر چھوٹے بڑے شہر، آبادی میں آئے روز سب کے سامنے آرہے ہیں۔

اس پس منظر میں حال ہی میں ملک کی ایک معروف یونی ورسٹی میں جنسی استحصال کے جو مبینہ واقعات منظرعام پر آئے ہیں، وہ ہر باشعور پاکستانی کے لیے شرم وندامت کے ساتھ اسے یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ کیا تعلیم کا مقصد گرے ہوئے اخلاق کی حامل نسل پیدا کرنا ہے، جو تعلیمی سند کے حصول کے لیے اپنی عزّت کی پروا بھی نہ کرے! بلاشبہہ کسی بھی معاشرے میں معاشی استحصال اور سیاسی عدم استحکام معاشرے کے افراد کے اخلاق پر اثر انداز ہوتا ہے، لیکن اخلاقی زوال کا سبب محض معیشت اور سیاست کو قرار دینا غلط ہے۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ معاشی استحصال کیوں رُونما ہوتا ہے؟ کیا اس کا سبب صرف معاشی مسائل ہوتے ہیں یا ان کا بڑا سبب معاش پیدا کرنے والے کا اخلاق ہے؟

پیشہ ورانہ اخلاقیات پر عمل نہ کیا جائے تو معاشی بدمعاملگی، دھاندلی اور ذخیرہ اندوزی وجود میں آتے ہیں۔ دین اسلام بڑی وضاحت کے ساتھ خرابی کے راستوں اور کامیابی کی شاہراہ دونوں کے لیے عملی ہدایات دیتا ہے۔ ملاوٹ، مطلوبہ معیار کا خیال نہ رکھنا، اپنے کیے ہوئے وعدوں کو توڑنا، ہوس اور خودغرضی میں مبتلا رہنے کو کامیابی سمجھنا، معاشرتی ذمہ داری کا احساس تک نہ ہونا، کردار میں استقامت کا نہ پایا جانا، سچ اور عدل کی جگہ دھوکا، جھوٹ، بے ایمانی، ملاوٹ کا کلچر پروان چڑھانا___ یہ ذاتی خرابیاں، رذائل اخلاق اور منفی خصوصیات ہیں جو معاشی بگاڑ، استحصال اور کساد بازاری کی طرف لے جاتی ہیں۔ اگر انسان بدعہد، بدمعاملہ، بداخلاق، بدکردار، ناقابل اعتبار اور محض نفس اور ہوس کا بندہ ہو، تو کیا اس سے کسی مستحکم عادلانہ معاشی نظام کو قائم کرنے کی توقع کی جاسکتی ہے؟ اس سے تو چوری، دھاندلی اور بے ایمانی ہی کو فروغ ملے گا۔

گذشتہ دنوں رانی پور (صوبہ سندھ) میں جنسی درندگی کے ہولناک واقعہ اور جڑانوالہ (صوبہ پنجاب) میں آتش زنی کا المیہ، ہمارے معاشرے کی بدنما تصویر پیش کرتا ہے، جسے درست کرنے کے لیے حکومت اور علما و اساتذہ اور میڈیا کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

معاشرتی اصلاح اور خود انحصاری کا حصول

گویا معاشی زوال ہو یا سیاسی عدم استحکام اصل اور بنیادی سبب وہ فرد ہے، جو اس نظام کو چلانے، فروغ دینے، اس کا دفاع کرنے میں اپنی صلاحیت، ذہن، علم وفکر اور جان کو کھپاتا ہے۔ ہمارے دین نے ہماری معیشت کو ایمان کا حصّہ بنا کر ایک انقلابی راہ دکھائی، اور قرآن کریم میں جہاں بھی اہل ایمان کا ذکر کیا، وہاں یہ نہیں کہا کہ وہ علمِ کلام، فصاحت و بلاغت اور ادبیت میں اعلیٰ مقام رکھتے ہوں بلکہ یہ بات کہی کہ اہل ایمان دو باتوں کا اہتمام اور قیام کرتے ہیں، یعنی صلوٰۃ اور زکوٰۃ۔ زکوٰۃ کو عبادت اور دین میں شامل کرنے کا مطلب یہ تھا کہ معیشت استحصال سے پاک ہو۔ کمائی کے ذرائع حلال ہوں، ذخیرہ اندوزی اور دیگر حرام طریقوں سے اجتناب برتا جائے۔

سود کو حرام، ممنوع اور اللہ کے غضب کو جوش میں لانے والی برائی قرار دیا گیا۔ قرض کو بغیر سود قرار دے کر تجارت اور زراعت اور صنعت کو اخلاق کے تابع کر کے دین و دنیا کی تفریق کے خاتمے کے ساتھ ایک ایسے معاشرے اور نظم مملکت کی بنیاد رکھی گئی، جہاں عدل، حقوق کا تحفظ، مال کی حرمت، جان کی قدر، عصمت وعفت کا تحفظ، خاندان اور نسل کی حُرمت، غرض معاشرتی، معاشی اور سیاسی تینوں محاذوں پر اخلاق، سیرت و کردار کو خوفِ الٰہی، جواب دہی کا احساس، ربِّ کریم کے شاکر بندے کی حیثیت سے اس کی مخلوق کی خدمت کرنے کو ایمان کا جزو قرار دیا گیا۔ معاشرہ ہو یا معیشت یا نظم مملکت، استحکام، ترقی اور کامیابی کی علامت اور انحصار سڑکیں، پُل، فیکٹریاں اور ہاؤسنگ سوسائٹیاں نہیں صرف اور صرف مخلص، ایمان دار، باصلاحیت، محنت کش، صالح فرد ہوتے ہیں، جن کا کردار شفاف اور سیرت عیوب سے پاک ہو۔

اخلاص اور تقویٰ کا تعلق نماز اور ذکر الٰہی کے وسیع تر مفہوم سے ہے، جس کو قرآن کریم نے یومِ جمعہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے واضح کر دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا: جب نمازِ جمعہ کی اذان سنو تو تمام کاروبارِ معیشت و سیاست کو چھوڑ کر مسجد کی طرف اللہ کا ذکر کرنے کے لیے تیزی اختیار کرو اور جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو واپس آؤ اور کاروبارِ حیات کی طرف رجوع کرو، مگر اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہوئے (الجمعہ ۶۲:۹)۔ گویا مسجد کی طرح اپنے کاروباری ادارے میں بھی اللہ کے سامنے حاضری کے احساس کے ساتھ ناپ تول اور کیفیت و کمیت (quality) کے اعلیٰ معیار کو

اختیار کیا جائے۔ اسی کا نام اللہ کا ذکر اور تقویٰ ہے۔

تقویٰ کا ایک مظہر قیام، رکوع، سجود اور حق گوئی ہے، تو اس کا دوسرا مظہر کسی بھی کام کا انتہائی نقطۂ کمال کے ساتھ اللہ کی رضا کا طلب کرنا ہے۔ ایک سنار جب سونے کو آلودگی سے پاک کر کے کھٹالی میں پکا کر نکالتا ہے تو وہ اس کے اپنے اخلاص اور تقویٰ کا مظہر ہوتا ہے۔ معیشت اور معاشرت میں تقویٰ کا مطلب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق خوش اخلاقی، صداقت، فیاضی، عفو و درگزر، حلم و بُردباری، صبر و استقامت اور حکمت و دانش کے ساتھ والدین ہوں یا اولاد، بیوہ ہو یا یتیم بچّے یا اقربا یا احباب، ہر ایک کے ساتھ وہ طرزِ عمل اختیار کرنا ہے، جو قرآن وسنت میں تعلیم کیا گیا ہے۔ معاشی اور معاشرتی ترقی اس وقت ممکن ہے، جب دین و دنیا کی تفریق کی جگہ اسلام پوری زندگی پر حاوی ہو۔ معاشرتی اصلاح اور معاشی خود انحصاری کا حصول صرف اسی وقت ممکن ہے، جب کشکولِ گدائی کو توڑا جائے اور خاندان اور اسلامی اخلاقی معاشرتی نظام کو معاشرے میں نافذ کیا جائے۔ یہ کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے، بہت آسان اور قابلِ عمل ہے۔

معاشرے اور معیشت کی تعمیر

● سمت کا تعین: جس طرح سمت کے تعین کے بغیر نماز نہیں ہوسکتی، ایسے ہی معیشت ومعاشرت کی سمت کا تعین کیے بغیر کوئی اصلاح اور ترقی ممکن نہیں۔ اگر سمت مغرب کی طرف ہوگی، تو معیشت اور معاشرت بھی مغربی تہذیب کا عکس ہوں گے۔ اسلام مشرق و مغرب کی جگہ مشرق و مغرب کے خالق کی طرف اپنا رخ کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ گویا اللہ کی حاکمیت کو معاشی، معاشرتی اور سیاسی طرزِ عمل میں قائم کیا جائے اور مروجہ مغربی یا مشرقی روایات سے پاک اسلام کا مطلوب معاشرہ وجود میں لایا جائے۔ جب یہ عزم اور سمت ہوگی تو راستے کا انتخاب بھی ممکن اور آسان ہوگا۔

● حکمت عملی: سمت کے تعین کے بعد ہدف تک پہنچنے کی حکمت عملی کا تعین بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر عادلانہ معاشرے اور معیشت کا قیام کرنا ہے تو تزکیۂ نفس اور تزکیۂ مال دونوں کے بغیر ممکن نہیں ہوگا۔ باحیا معاشرت کا قیام مغرب اور مشرق کی نمائشی تہذیب کو اپنانے سے نہیں ہوسکتا۔ احترامِ انسانیت اسی وقت ممکن ہے، جب انسان کا استحصال کرنے والے سودی نظام معیشت سے نجات اور مصالح عامہ پر مبنی عادلانہ معاشی نظام قائم کیا جائے۔ دونوں کام آج کی دنیا میں

نہ صرف ممکن بلکہ پہلے سے زیادہ آسان ہیں۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور دونوں کاموں کو ریاست کی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ صرف دستور کو اس کی روح کے ساتھ واضح الفاظ کے مطابق نافذ کرنے کی ضرورت ہے۔

● افرادِ کار کی تیاری: کسی بھی انقلابی تبدیلی کے لیے ایسے افراد کا میسر آنا ضروری ہے جو اس نظام پر نہ صرف یقین رکھتے ہوں بلکہ اعلیٰ کردار کے حامل اور انفرادی و اجتماعی طور پر اس پر عامل ہوں۔ وہ نہ سود دیتے ہوں نہ سود لیتے ہوں۔ انفرادی کاروبار میں دُہرے پیمانے استعمال نہ کرتے ہوں بلکہ صرف ایک شفاف پیمانۂ عدل استعمال کرتے ہوں، اور اجتماعی معاملات میں بھی ان کا رویہ مقاصد شریعت اور مصالح عامہ سے مطابقت رکھتا ہو۔ یہ سب کچھ اس دور میں ضروری ہے اور ترقی کے لیے شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

افراد سازی، تعمیر سیرت و شخصیت کے بغیر ناممکن ہے۔ ہمیں گھر، تعلیم گاہ، مسجد، یونی ورسٹی، ابلاغ عامہ، ہر محاذ پر قرآن وسنت کے عالم گیر اخلاقی اصولوں کی روشنی میں نئی نسل کی تربیت کرنی ہوگی۔ یہ کام نعروں، مطالبوں کی سیاست اور دھرنوں سے نہیں بلکہ خاموشی سے نظر نہ آنے والی محنت و مشقت کے ساتھ افراد کی زندگیوں کو تبدیل کرنے سے ہوگا۔ یہ ایک صبر آزما اور طویل عمل ہے۔ جس طرح کھجور کا درخت آٹھ سے دس سال میں پھل دیتا ہے، اسی طرح تعمیر سیرت ۱۰ سے ۲۰ سال تک مسلسل اخلاقی آبیاری کرنے کے بعد ہی ممکن ہوسکتی ہے۔

اس کام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تعریف و تحسین کی جگہ تنقید اور تضحیک مقدر ہوتی ہے۔ اللہ کے کسی بھی برگزیدہ نبی کی دعوتِ اصلاح وانقلاب کا استقبال نہیں کیا گیا، بلکہ مخالفت و مزاحمت، رکاوٹ اور اس استہزا کے ساتھ مخاطب کیا گیا کہ اللہ کو تمھارے علاوہ کوئی اور نہ ملا کہ وہ اپنا رسول بناتا؟

عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ حکومت ان سادہ لوح مولویوں کے بس کی بات نہیں۔ اس تاثر کو صرف وہ افراد دُور کر سکتے ہیں جو علمی اور پیشہ وارانہ معاملات میں مہارت رکھتے ہوں اور ان کے مخالف ان کی صلاحیت کے معترف ہونے پر مجبور ہوں۔

● بنیادی سطح پر کام: معاشرتی اور معاشی اصلاح کا آغاز عوام الناس میں کام کرنے سے ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے مکی دور میں توحید اور آخرت کے ساتھ یتیم، مقروض، غلام اور

مالی طور پر ضرورت مند کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ان کے مقام کو بلند کرنے اور ان کی مشکلات دور کرنے کو اس حد تک اہمیت دی کہ حضرت ابوبکرؓ جو غلاموں کی قیمت ادا کر کے انھیں آزاد کرنے کے لیے مشہور تھے، قرآن کریم میں ان کی جانب اشارہ کیا گیا کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ اپنے نصب پر فخر کرنے والے قریش کو اعتراض تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد 'کمتر طبقہ' کے لوگ جمع ہیں۔ ان کی محفل میں وہ کیسے شامل ہوں؟ دعوت با اثر فراد تک محدود نہیں تھی بلکہ غلام اور مفلوک الحال افراد بھی بلاتفریق اس کے مخاطب تھے اور اس لیے مخاطب تھے کہ اسلام معاشرتی عدل کا علَم بردار بن کر آیا تھا۔

یہ صاحبِ حیثیت افراد کا دین نہیں تھا بلکہ اس میں جہاں حضرت عثمانؓ جیسے صاحبِ مال وثروت تھے، وہیں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت بلالؓ جیسے مالی دولت سے محروم شمع رسالتؐ کے پروانے بھی تھے۔ لیکن امانت وتقویٰ میں دوسروں سے برتر افراد تھے۔ معاشرے کے کم مال دار افراد انفاق فی سبیل اللہ، ایثار وقربانی میں دوسروں سے کچھ آگے ہی تھے۔ وہ جو کل تک غلام تھے، انھوں نے قیصر وکسریٰ کے تخت وتاج کو زمین بوس کر دیا۔ صدقات اور زکوٰۃ کی تقسیم (آٹھ مدوں میں) کے ذریعے معاشی استحکام اسلام کا بنیادی ہدف تھا۔ فقر وفاقہ شرک کی طرف لے جاتا ہے، جب کہ انفاق وصدقات انسان کو متقی بناتے ہیں اور مال کی محبت سے پاک فرد اپنے رب کی محبت واطاعت میں سکون حاصل کرتا ہے۔

● مساجد بطور دعوتی مراکز: مسجد اسلامی معاشرے کی پہچان اور قلب کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کا صحیح استعمال دورِ نبوتؐ کی روشنی میں جب تک نہیں کیا جائے گا، وہ تبدیلی جو اسلام چاہتا ہے، نہیں آسکے گی۔ مسجد تربیت گاہ ہے، مسجد تعلیم گاہ ہے، مسجد بیرونی سفارت کاروں سے ملاقات کی جگہ ہے۔ مسجد میں بین الاقوامی معاہدے لکھے گئے اور یہاں امت کی تعمیر وترقی کی منصوبہ بندی کی روایت ڈالی گئی۔ مسجد کی اس حیثیت کا احیا بے حد ضروری ہے۔

● علمی وفکری قیادت: معاشرتی اور معاشی ترقی اس وقت ممکن ہے، جب عصر حاضر کے معاشرتی اور معاشی تصورات کو براہ راست سمجھنے اور ان کا تجزیہ وتحلیل کرنے کے بعد، متبادل اسلامی نظام قرآن وسنت سے براہ راست استفادے کے ساتھ پیش کیا جائے۔ بیسویں صدی میں

جو کام علامہ اقبال، حسن البنا شہید، مولانا مودودی اور علامہ محمد اسد اور ان کے رفقا نے کیا، اس کام کو آگے بڑھانے کے لیے جامعات سے وابستہ محققین کو آگے بڑھنا ہوگا اور قرآن وسنت کی بنیاد پر علم کی تدوینِ جدید کرنی ہوگی۔

علم کی تدوینِ جدید کی بنیاد حقیقی اور قطعی علمِ وحی پر ہوگی۔ یہ تعمیر محض تجرباتی علم یا قیاسی، ظنی یا وجدانی اور روحانی تجرباتی احساس پر نہیں ہوسکتی۔ مروجہ علوم کی بنیاد تجرباتی تصورِ علم پر ہے، یعنی وہ علم جسے تجربہ گاہ میں جانچا جاسکتا ہے۔ وحی الٰہی کا منبع کسی کا ذاتی تجربہ نہیں بلکہ وہ ربّ العالمین ہے، جو ہر خیر اور شر کا علم بھی رکھتا ہے اور ہر خیر و شر پر قدرت بھی۔ علم کی تدوینِ جدید وحی کی روشنی میں اس کے عالم گیر ہونے کے سبب واحد اعلیٰ ترین ذریعۂ علم ہے۔ وحی کے علاوہ تمام علم محدود، وقتی اور داخلی ہے۔ وحی معروضی، عالم گیر اور تطبیقی علم کا واحد قطعی ذریعہ ہے۔ اس بنا پر تمام معاشرتی اور تجربی علوم کی اخلاقی اصولوں پر مبنی تدوینِ جدید اسی وقت پُرمعنی ہوسکتی ہے، جب اس کی بنیاد روشن ثبوتوں پر استوار ہو۔

معاشرتی علوم اور تجرباتی علوم کی تشکیلِ جدید قرآن وسنت کے عالم گیر اصولوں کی بنیاد پر کرنی ہوگی اور یہ کام اُن پُرعزم معلمین ومعلمات اور طلبہ وطالبات کو کرنا ہوگا جو شعورِ حیات رکھتے ہوں، جو رضاکارانہ طور پر اللہ کے انصار بننے پر تیار ہوں۔ ایسے انصار ہی سے یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ جب وہ اللہ کو اپنا رب مان کر اس کے راستے یعنی اس صراطِ مستقیم پر چلیں گے اور ان کے قدم جادۂ حق اور صراطِ مستقیم کی طرف اٹھیں گے، تو اگر وہ ۲۰ ہوں تو ۲۰۰ پر اور اگر سو ہوں تو ہزار پر غالب آئیں گے۔ باطل کی چمک دمک ان کے عزم وارادے کے سامنے تحلیل ہوجائے گی۔ فرشتے ان کے ساتھ صف بہ صف شریک ہوکر ان کی استعانت اور مدد کریں گے۔

مستقبل انھی کا ہے جو تمام غلامیوں کو پامال کر کے صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی میں آجائیں، دین میں پورے کے پورے داخل ہوں، خلوص، قربانی، عزمِ صمیم کی تصویر ہوں، تو مستقبل خود ان کی طرف پیش قدمی کرے گا اور وہ ایک تابناک صبح کے پیغامبر بن کر انسانیت کو عدل، حُریت، احترامِ انسانیت، پاک دامنی، حیا اور معاشرتی عدل کی برکات سے بہرہ وَر کردینے والے خوش نصیب ہوں گے۔ یہ وہ کام ہے جو سب سے زیادہ ترجیح کا مستحق ہے اور جسے شعوری طور پر وہی لوگ کرسکتے ہیں، جو ذہنی، جذباتی اور عملی طور پر اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرچکے ہیں۔

مطالعہ کا رجحان

عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ ٹکنالوجی نے مطالعے کا شوق کم کر دیا ہے، اور اب لوگ صرف سوشل میڈیا یا پرویڈیوز دیکھ رہے ہیں، کتابیں نہیں پڑھ رہے ہیں۔ تاہم، اعداد و شمار اور حقائق سے جو تفصیل سامنے آتی ہے وہ انتہائی چشم کشا ہے۔

یونیسکو کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۵۰ء میں دُنیا بھر میں ۲ لاکھ ۷۵ ہزار نئی کتب شائع ہوئی تھیں، جو ۱۹۸۰ء میں بڑھ کر ۶ لاکھ ۷۰ ہزار ہوگئیں اور ۲۰۲۱ء میں دُنیا میں ۴۰ لاکھ نئی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ گوگل کی ۲۰۱۰ء میں شائع کردہ رپورٹ کے مطابق انسانی تاریخ میں اب تک لکھی گئی وہ تمام کتب جو اس وقت دستیاب تھیں، ان کی مجموعی تعداد ۱۳ کروڑ تھی۔ گویا بنی نوع انسان کی ہزاروں سال کی تاریخ میں مجموعی طور پر جتنی کتابیں لکھی گئیں، اس کا ۳۲ واں حصّہ صرف ایک سال (۲۰۲۱ء) میں شائع ہوگیا (booksearch.blogspot.com)۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتابیں لکھنے اور پڑھنے کا شوق نہ صرف بڑھ رہا ہے بلکہ تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

اس وقت کتابوں کی صنعت کی عالمی قدر تقریباً ۱۴۲ بلین ڈالر ہے، یعنی دُنیا جتنا سونے کے زیورات (۱۸۰ بلین ڈالر) پر خرچ کرتی ہے، اس سے کچھ کم ہی کتابوں پر خرچ کرتی ہے۔

یہ کتابیں صرف بوڑھے لوگ نہیں پڑھ رہے ہیں بلکہ کتابوں کی مارکیٹ میں سب سے تیزی سے ترقی کرنے والا میدان بچوں کی کتابوں کی اشاعت ہے۔ یہ اعداد و شمار عالمی اوسط سے متعلق ہیں، جب کہ ترقی یافتہ معاشروں میں کتابوں پر خرچ کا تناسب تو اور زیادہ ہے۔

اس صورتِ حال میں یہ کہنا کہ دُنیا میں مطالعے کا شوق کم ہو رہا ہے، کتنی خلافِ واقعہ اور مضحکہ خیز بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم پیچھے ہو گئے ہیں، ساری دُنیا پیچھے نہیں ہوئی!

سیّد سعادت اللہ حسینی

(خیر خواہ)

مسائل کا حل ___ نظام کی تبدیلی

اِس وقت ہماری حقیقی ضرورت یہ ہے کہ وہ سارا نظامِ زندگی تبدیل کیا جائے جو انگریز نے سرمایہ داری، استعماریت اور مادہ پرستی کی بنیاد پر قائم کیا تھا اور جو آج بھی جوں کا توں ہمارے ملک پر قائم ہے۔ جب تک یہ نہیں ہوگا کوئی تکلیف، کوئی شکایت اور کوئی خرابی کُلی طور پر رفع ہونا ممکن نہیں ہے۔

خرابیوں کا اصل علاج یہ ہے کہ سارا نظام اپنی نظریاتی اور اخلاقی بنیادوں کے ساتھ بدلا جائے اور اس کو [اسلامی] اخلاقی و نظریاتی بنیادوں پر قائم کیا جائے جو اجتماعی انصاف کی ضامن ہوں۔ جب نظامِ زندگی بدلے گا تو عدل و انصاف خود قائم ہوجائے گا اور محنت پیشہ لوگوں کی مشکلات اور شکایات آپ سے آپ دُور ہوجائیں گی۔

سیّد ابو الاعلیٰ مودودی

عطیۂ اشتہار: صوفی بابا